مقالات

ڈاکٹر عرفان شہزاد

قانونِ اتمامِ حجت اور اس کے اطلاقات
نمایاں اعتراضات کا جائزہ

(۵)

(گزشتہ سے پیوستہ)

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

کیا رسول قتل ہو سکتے ہیں؟

قرآن مجید سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول کی قوم پر دنیوی عذاب آنے سے پہلے رسول نہ صرف فوت ہو سکتا ہے، بلکہ اس کا قتل بھی ممکن ہے:

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ نَعِدُهُمْ اَوْ نَتَوَفَّيَنَّكَ فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ. (الرعد ۱۳: ۴۰)

’’ہم جو وعید انھیں سنا رہے ہیں، اُس کا کچھ حصہ ہم تمھیں دکھا دیں گے یا تم کو وفات دیں گے (اور اِس کے بعد اِن سے نمٹیں گے)۔ سو تمھاری ذمہ داری صرف پہنچانا ہے اور اِن کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔‘‘

فَاِمَّا نَذْهَبَنَّ بِكَ فَاِنَّا مِنْهُمْ مُّنْتَقِمُوْنَ. اَوْ نُرِيَنَّكَ الَّذِىْ وَعَدْنٰهُمْ فَاِنَّا عَلَيْهِمْ مُّقْتَدِرُوْنَ. (الزخرف ۴۳: ۴۱-۴۲)

’’اب تو یہی ہو گا کہ یا ہم تمھیں اٹھا لیں گے، پھر اِن سے ضرور بدلہ لیں گے۔ یا جس (عذاب) کا وعدہ ہم نے اِن سے کیا ہے، وہ (تمھارے اِس دنیا میں

ہوتے ہوئے) تم کو لا دکھائیں گے، اِس لیے کہ ہم اِن پر پوری قدرت رکھتے ہیں۔''

وَمَا مُحَمَّدٌ اِلَّا رَسُوْلٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ اَفَائِنْ مَّاتَ اَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلٰٓى اَعْقَابِكُمْ وَمَنْ يَّنْقَلِبْ عَلٰى عَقِبَيْهِ فَلَنْ يَّضُرَّ اللّٰهَ شَيْئًا وَسَيَجْزِى اللّٰهُ الشّٰكِرِيْنَ. (آل عمران ۳: ۱۴۴)

''محمد ایک رسول ہی ہیں۔ (اُن کے شہید ہو جانے کی خبر نے تمھارے قدم ڈگمگا دیے)۔ اُن سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں، (اور موت و حیات کے یہ مراحل اُن پر بھی آئے)۔ پھر کیا وہ وفات پا جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم لوگ اُلٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟ (یاد رکھو)، جو اُلٹا پھرے گا، وہ اللہ کا کچھ نقصان نہ کرے گا اور اللہ عنقریب اُن کو صلہ دے گا جو ہر حال میں اُس کے شکر گزار رہے ہیں۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

آخر الذکر آیت غزوۂ احد کے تناظر میں ہے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت کی افواہ پھیلی اور مسلمان بددل ہو کر منتشر ہوئے تو اللہ تعالیٰ نے اس موقع پر یہ نہیں کہا کہ رسول تو قتل ہو ہی نہیں سکتا تھا، پھر تم لوگ ہمت کیوں ہار بیٹھے، بلکہ یہ کہا کہ رسول اگر فوت یا قتل ہو جائے تو کیا تم الٹے پاؤں پھر جاؤ گے؟

چونکہ اس وقت تک آپ کی قوم پر اتمام حجت ہو چکا تھا، جیسا کہ قرآن مجید کی اس دور کی سورتوں سے واضح ہے، اس لیے آپ کے فوت یا نعوذ باللہ قتل ہونے کا امکان، از روے آیات مذکورہ، موجود تھا، اگرچہ شریعت مکمل نہیں ہوئی تھی، چنانچہ اگر شریعت کی تکمیل سے پہلے آپ فوت یا قتل ہو جاتے تو ممکن تھا کہ مزید کسی نبی یا رسول کو بھیج کر شریعت کی تکمیل کرائی جاتی، مگر اس کی ضرورت پیش نہیں آئی، البتہ اتمام حجت سے پہلے رسول کی موت یا قتل نہیں ہو سکتا، ورنہ اس کا مقصد بعثت ہی پورا نہ ہو سکے گا۔

حقیقتاً کوئی رسول قتل ہوا ہے یا نہیں، تو قرآن میں موجود رسولوں کے تذکروں میں ایسا کوئی واقعہ ہمیں نہیں ملتا۔ البتہ قرآن کی ایک آیت رسولوں کے قتل کا ذکر کرتی ہے:

وَلَقَدْ اٰتَيْنَا مُوْسَى الْكِتٰبَ وَقَفَّيْنَا مِنْۢ بَعْدِهٖ بِالرُّسُلِ وَاٰتَيْنَا عِيْسَى ابْنَ مَرْيَمَ الْبَيِّنٰتِ وَاَيَّدْنٰهُ بِرُوْحِ الْقُدُسِ اَفَكُلَّمَا جَآءَكُمْ رَسُوْلٌۢ بِمَا لَا تَهْوٰٓى اَنْفُسُكُمُ اسْتَكْبَرْتُمْ

''اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی تھی اور اُس کے پیچھے پے در پے اپنے پیغمبر بھیجے تھے، اور مریم کے بیٹے عیسیٰ کو (ان سب کے بعد) کھلی کھلی نشانیاں دیں اور روح القدس سے اُس کی تائید کی (تو جانتے ہو کہ اُن کے ساتھ تمھارا

فَفَرِیْقًا كَذَّبْتُمْ وَفَرِیْقًا تَقْتُلُوْنَ. (البقرہ۲: ۸۷)

رویہ کیا رہا)؟ پھر کیا یہی ہوگا کہ جب بھی (ہمارا) کوئی پیغمبر وہ باتیں لے کر تمھارے پاس آئے گا جو تمھاری خواہشوں کے خلاف ہوں گی، تو تم (اُس کے سامنے) تکبر ہی کرو گے؟ پھر ایک گروہ کو جھٹلا دو گے اور ایک گروہ کو قتل کرو گے۔''

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی اسرائیل کے ہاتھوں رسول قتل ہوئے ہیں، لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ اصطلاحی رسولوں میں سے صرف دو ہی رسول بنی اسرائیل میں مبعوث ہوئے تھے: ایک موسیٰ اور دوسرے عیسیٰ علیہما السلام، اور دونوں ہی قتل نہیں ہوئے، تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ اس آیت میں کن رسولوں کے قتل ہونے کا ذکر ہوا ہے؟

اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں رسول اپنے اصطلاحی معنی میں نہیں، بلکہ لفظی معنی میں استعمال ہوا ہے۔ اس پر مفصل بحث پہلے گزر چکی کہ قرآن، رسول اور نبی کے الفاظ کو ان کے لفظی معنی میں بھی استعمال کرتا ہے اور اصطلاحی معنی میں بھی، چونکہ یہاں انذار، حجت اور عذاب کا کوئی ذکر نہیں، اس لیے اصطلاحی رسول مراد لینے کی کوئی قید نہیں ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

رسولوں کے غلبے کا مطلب سیاسی غلبہ نہیں

ایک عام غلط فہمی رسول کے غلبے کو سیاسی غلبے کے مترادف سمجھنے کے بارے میں پائی جاتی ہے۔ قرآن مجید میں بیان ہوا ہے:

كَتَبَ اللّٰهُ لَاَغْلِبَنَّ اَنَا وَرُسُلِيْ اِنَّ اللّٰهَ قَوِيٌّ عَزِيْزٌ. (المجادلہ۵۸: ۲۱)

''اللہ نے لکھ دیا ہے کہ میں اور میرے رسول غالب ہو کر رہیں گے۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بڑے زور والا اور بڑا زبردست ہے۔''

حقیقت یہ ہے کہ اکثر رسولوں کو سیاسی غلبہ نہیں ملا۔ قرآن مجید کے مطابق حضرت موسیٰ علیہ السلام اور محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے علاوہ کسی اور رسول کے سیاسی غلبے کا ذکر موجود نہیں۔ اس لیے محولہ بالا آیت جو اصولی طور پر تمام رسولوں کے غلبے کا ذکر کرتی ہے، اس سے رسولوں کا سیاسی غلبہ مراد نہیں لیا جا سکتا۔ رسول کے غلبے کا مطلب درحقیقت رسول کے منکرین اور معاندین کا خدائی عذاب کے آگے مغلوب ہو جانا ہے۔ اکثر رسولوں کا یہ غلبہ ان کے منکرین پر قدرتی طاقتوں کے ذریعے سے آنے والے عذاب سے حاصل ہوا، جب کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لیے یہ غلبہ سیاسی غلبے کی شکل اختیار کر گیا۔ ایسا کیونکر ہوا؟ اس کی تفصیل ذیل میں دی جاتی ہے:

رسول کا سیاسی غلبہ، منصب رسالت کا کوئی جزو نہیں ہے۔ قرآن مجید نے منصب رسالت کے جو فرائض بتائے ہیں، ان میں رسول کا اصل کام اپنی قوم کو انذار کرنا اور انذار کا ابلاغ آخری درجے کی حد تک کرنا ہے کہ مخاطبین کے پاس انکار کا کوئی عذر نہ رہے۔ یعنی اتمام حجت کرنا رسول کا اولین منصب ہے:

مَا عَلَى الرَّسُوْلِ اِلَّا الْبَلٰغُ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ مَا تُبْدُوْنَ وَمَا تَكْتُمُوْنَ. (المائدہ۵:۹۹)

''پیغمبر پر تو صرف پہنچا دینے کی ذمہ داری ہے اور اللہ جانتا ہے جو کچھ تم ظاہر کرتے اور جو کچھ چھپاتے ہو۔''

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ اِلَّا الْبَلٰغُ الْمُبِيْنُ. (النحل۱۶:۳۵)

''سو رسولوں پر تو صاف صاف پہنچا دینے ہی کی ذمہ داری ہے۔''

رسول کا دوسرا کام اس پیغام الٰہی کی قبولیت کے نتیجے میں ایمان لانے والوں کو ان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے لیے عبادت اور اطاعت الٰہی کے طریقے سکھا کر ان کا تزکیہ اور تطہیر کرنا ہے، جب کہ پیغامِ الٰہی کے منکرین کا استیصال خدا کا کام ہے:

www.javedahmadghamidi.org www.al-mawrid.org

فَاِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ. (الرعد۱۳:۴۰)

''سو تمھاری ذمہ داری صرف پہنچانا ہے اور اِن کا حساب لینا ہمارا کام ہے۔''

رسول کے اول الذکر اور ثانی الذکر، دونوں فرائض کا جامع تذکرہ درج ذیل آیت میں کیا گیا ہے:

كَمَآ اَرْسَلْنَا فِيْكُمْ رَسُوْلًا مِّنْكُمْ يَتْلُوْا عَلَيْكُمْ اٰيٰتِنَا وَيُزَكِّيْكُمْ وَيُعَلِّمُكُمُ الْكِتٰبَ وَالْحِكْمَةَ وَ يُعَلِّمُكُمْ مَّا لَمْ تَكُوْنُوْا تَعْلَمُوْنَ. (البقرہ۲:۱۵۱)

''چنانچہ (یہی مقاصد ہیں جن کے لیے) ہم نے ایک رسول تم میں سے تمھارے اندر بھیجا ہے جو ہماری آیتیں تمھیں سناتا ہے اور تمھارا تزکیہ کرتا ہے اور (اس کے لیے) تمھیں قانون اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور (اِس طرح) وہ چیزیں تمھیں سکھاتا ہے جو تم نہیں جانتے تھے۔''

جہاں تک سیاسی غلبے کا تعلق ہے تو کارِ رسالت کے بیان میں نہ صرف اس کو کوئی جگہ نہیں دی گئی، بلکہ ایک قدم آگے بڑھ کر منصب رسالت کے لیے اس کی نفی کی گئی ہے:

وَمَآ اَنْتَ عَلَيْهِمْ بِجَبَّارٍ فَذَكِّرْ بِالْقُرْاٰنِ مَنْ يَّخَافُ وَعِيْدِ. (ق۵۰:۴۵)

''اور (یاد رکھو کہ) تم اِن پر کوئی داروغہ مقرر نہیں کیے گئے ہو۔ سو قرآن کے ذریعے سے یاد دہانی کرو

اُنھیں جو میری تنبیہ سے ڈرتے ہوں۔''

فَذَکِّرۡ اِنَّمَآ اَنۡتَ مُذَکِّرٌ. لَسۡتَ عَلَیۡھِمۡ بِمُصَیۡطِرٍ. (الغاشیہ ۸۸: ۲۱-۲۲)

''تو تم یاد دہانی کردو، (اے پیغمبر) تم یاد دہانی کرنے والے ہی ہو۔ تم اِن پر کوئی داروغہ نہیں ہو۔''

سیاسی غلبہ اگر رسالت کا حصہ ہوتا تو ہر رسول کو لازمی ملتا، چونکہ نہیں ملا، اس لیے یہ منصب رسالت کا حصہ ہرگز نہیں ہے اور نہ ہی قانون اتمام حجت کا کوئی جزو ہے۔

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی غلبہ کی حیثیت

سوال پیدا ہوتا ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے مخالفین پر جو سیاسی غلبہ ملا، اس کی حیثیت کیا ہے؟ تو قرآن مجید پر تدبر سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کو یہ غلبہ منصب رسالت کے تحت نہیں ملا، یہ غلبہ دراصل ذریت ابراہیم کو ایک خاص قانون الٰہی کے تحت ملا تھا، جس کی تفصیل پیش تر گزر چکی، اور آپ ذریت ابراہیم کے سربراہ کی حیثیت سے اس عہدہ پر متمکن ہوئے۔ ذریتِ ابراہیم سے خدا نے وعدہ کر رکھا تھا کہ اگر وہ ایمان وعمل کے مطلوبہ معیار پر پورے اترے تو آخرت سے پہلے دنیا میں ہی سیاسی غلبے اور مالی خوش حالی کی نعمتوں سے سرفراز ہوں گے۔ چنانچہ قرآن مجید میں سیاسی غلبے کا وعدہ جہاں بھی کیا گیا ہے، وہ رسولوں کے ساتھ نہیں، بلکہ ان کی قوموں کے براہ راست مومنین کے ساتھ کیا گیا ہے۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

پہلے یہ معاملہ ذریت ابراہیم کی ایک شاخ، بنی اسرائیل کے ساتھ کیا گیا، جن کی سربراہی مختلف پیغمبر اور بادشاہان کرتے رہے، اب ذریت ابراہیم کی دوسری شاخ، بنی اسماعیل دین کے اس خاص منصب شہادت کے لیے چنے گئے تھے، اس لیے ایمان واطاعت کے مطلوبہ معیار کو پورا کرنے پر سیاسی غلبے کا معاملہ ان کے ساتھ ہونا تھا۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی بنی اسماعیل میں سے تھے اور بنی اسماعیل کی دینی اور سیاسی امامت وقیادت اس وقت آپ کے ہاتھ تھی، اس لیے بنی اسماعیل کے غلبے کی ابتدا آپ سے ہوئی۔ سیاسی غلبہ کی بشارت دینے والی آیات کا اسلوب دیکھا جا سکتا ہے کہ وہ جمع کے صیغے میں ہیں اور پوری جماعت صحابہ سے مخاطب ہیں؛ نیز وہ آیات بھی جو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حکومت کے وقت میں آپ کی قائم کردہ ریاست سے متعلق ہیں، وہاں بھی ایک رسول کو مخاطب کرنے کے بجائے پوری جماعت کو مخاطب کر کے احکامات دیے گئے ہیں۔ مثلاً:

اَلَّذِیۡنَ اِنۡ مَّکَّنّٰھُمۡ فِی الۡاَرۡضِ اَقَامُوا الصَّلٰوۃَ

''یہ وہی ہیں کہ جن کو اگر ہم اِس سرزمین میں اقتدار

وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ وَاَمَرُوْا بِالْمَعْرُوْفِ وَنَہَوْا عَنِ الْمُنْکَرِ وَلِلّٰہِ عَاقِبَۃُ الْاُمُوْرِ. (الحج ۲۲:۴۱)

بخشیں گے تو نماز کا اہتمام کریں گے اور زکوٰۃ ادا کریں گے اور بھلائی کی تلقین کریں گے اور برائی سے روکیں گے۔ (اللہ ضرور اُن کی مدد کرے گا) اور سب کاموں کا انجام تو اللہ ہی کے اختیار میں ہے۔''

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْھُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِکِیْنَ حَیْثُ وَجَدْتُّمُوْھُمْ وَخُذُوْھُمْ وَاحْصُرُوْھُمْ وَاقْعُدُوْا لَھُمْ کُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوۃَ وَاٰتَوُا الزَّکٰوۃَ فَخَلُّوْا سَبِیْلَھُمْ اِنَّ اللّٰہَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ. (التوبہ ۹:۵)

''(بڑے حج کے دن) اِس (اعلان) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔''

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے ہونے والے اتمام حجت کے نتیجے میں آپ کے منکرین کو دی جانے والی سزا کا نفاذ آپ نے بہ حیثیت رسول نہیں، بلکہ بہ حیثیت سربراہِ ذریت ابراہیم کیا تھا، اس لیے کہ منکرین کے استیصال اور اہل کتاب کو محکوم بنانے کا کام اصلاً رسول کا نہیں، بلکہ ذریتِ ابراہیم کا منصب تھا، جیسا کہ ان کو حکم دیا گیا تھا:

قَاتِلُوْھُمْ یُعَذِّبْھُمُ اللّٰہُ بِاَیْدِیْکُمْ وَیُخْزِھِمْ وَیَنْصُرْکُمْ عَلَیْھِمْ وَیَشْفِ صُدُوْرَ قَوْمٍ مُّؤْمِنِیْنَ. (التوبہ ۹:۱۴)

''اُن سے لڑو، اللہ تمھارے ہاتھوں سے اُن کو سزا دے گا اور اُنھیں ذلیل وخوار کرے گا اور تمھیں اُن پر غلبہ عطا فرمائے گا اور مومنوں کے ایک گروہ کے کلیجے (اس سے) ٹھنڈے کرے گا۔''

قَاتِلُوا الَّذِیْنَ لَا یُؤْمِنُوْنَ بِاللّٰہِ وَلَا بِالْیَوْمِ الْاٰخِرِ وَلَا یُحَرِّمُوْنَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ وَلَا یَدِیْنُوْنَ دِیْنَ الْحَقِّ مِنَ الَّذِیْنَ اُوْتُوا الْکِتٰبَ حَتّٰی یُعْطُوا الْجِزْیَۃَ عَنْ یَّدٍ وَّھُمْ صٰغِرُوْنَ. (التوبہ ۹:۲۹)

''(اِن مشرکوں کے علاوہ) اُن اہل کتاب سے بھی لڑو جو نہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اللہ اور اُس کے رسول کے حرام ٹھیرائے ہوئے کو حرام ٹھیراتے ہیں اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے ہیں، (اُن سے لڑو)، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور ماتحت بن کر رہیں۔''

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

غرض یہ کہ ذریتِ ابراہیم کے سیاسی غلبے کی ابتدا آپ سے کرادی گئی، جس کی تکمیل آپ کے خلفا کے ہاتھوں ہوئی، جیسا کہ اس سے پہلے موسیٰ علیہ السلام کی وفات کے بعد ان کے خلفا کے ذریعے سے اس سنت الٰہی کا اظہار بنی اسرائیل کے لیے ہوا تھا۔

مسیح کی بادشاہت

اناجیل میں مسیح علیہ السلام کو بنی اسرائیل کا بادشاہ کہا گیا تھا۔ مثلاً انجیل لوقا میں ہے:

''پیلاطوس نے اس سے پوچھا کیا تو یہودیوں کا بادشاہ ہے؟ اس نے اس کے جواب میں کہا تو خود کہتا ہے۔'' (لوقا ۲۳:۳)

''سپاہیوں نے بھی پاس آ کر اور سرکہ پیش کر کے اس پر ٹھٹھا مارا اور کہا کہ اگر تو یہودیوں کا بادشاہ ہے تو اپنے آپ کو بچا۔ اور ایک نوشتہ بھی اس کے اوپر لگا دیا تھا کہ یہ یہودیوں کا بادشاہ ہے۔'' (لوقا ۲۳: ۳۶-۳۸)

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مسیح کا بنی اسرائیل کا ممکنہ بادشاہ ہونے کا تصور معروف تھا۔ نیز اناجیل سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مسیح نے اس الزام کا رد بھی نہیں کیا۔

یہاں دو اشکال پیش کیے گئے ہیں: ایک یہ کہ اگر رسولوں کے غلبے کا مطلب ان کا سیاسی غلبہ ہے تو مسیح کو سیاسی غلبہ کیوں نہ ملا؛ دوسرا یہ اگر مسیح کی بادشاہت کوئی الگ خاص معاملہ تھا، کوئی خدائی پیشین گوئی تھی اور وہ ان کے وقت میں پوری نہ ہو پائی تھی تو پھر یہ پیشین گوئی دنیا میں ان کی آمد ثانی کے وقت پوری ہوگی۔ اس سے مسیح کی آمد ثانی کا مزید جواز بھی مہیا کیا گیا۔

ہم اس معاملے کو قانون اتمام حجت کی روشنی میں دیکھتے ہیں۔ رسول کے سیاسی غلبے کی مذکورہ بالا بحث سے رسول کے غلبے کی حیثیت واضح ہو جاتی ہے کہ یہ غلبہ سیاسی غلبہ نہیں ہوتا، اس لیے مسیح کے لیے بھی بہ حیثیت رسول سیاسی غلبہ قانون اتمام حجت کی رو سے ہونا ضروری نہیں تھا۔ تاہم اناجیل میں ان کے لیے 'بادشاہی' کے لفظ سے ان کا سیاسی غلبہ ہونا ظاہر ہوتا ہے۔ اگر ایسا ہے تو اس کا مطلب یہی تھا کہ اگر بنی اسرائیل، مسیح پر ایمان لے آتے اور ان کی اطاعت اختیار کر لیتے تو ذریت ابراہیم کو حسب وعدۂ الٰہی سیاسی غلبہ ملتا اور مسیح ان کے سربراہ کی حیثیت سے ان کے حکمران ہوتے، بالکل اسی طرح جیسے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سربراہی میں بنی اسماعیل کو سیاسی غلبہ ملا۔ لیکن بنی اسرائیل نے مسیح کا انکار کر دیا، اس لیے دنیوی سیادت کا موقع انھوں نے گنوا دیا اور مسیح علیہ السلام، بنی اسرائیل کے بادشاہ بنے

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

بناہی دنیا سے رخصت ہو گئے۔ گویا مسیح کی بادشاہت کی پیشین گوئی درحقیقت پیشین گوئی نہیں، بلکہ مشروط بشارت تھی جس کو بنی اسرائیل نے ضائع کر دیا۔ البتہ رسولوں کا غلبہ جو کہ قانونِ الٰہی تھا، وہ مسیح کے لیے بھی برپا ہو کر رہا، مسیح کے منکرین پر بھی عذاب نازل ہوا، وہ محکوم ہوئے، در بدر ہوئے، تاہم ان پر استیصال کا عذاب اس لیے نہیں آیا کہ وہ مشرک نہیں، موحد تھے اور استیصال جانتے بوجھتے شرک کرنے پر آتا ہے۔ مزید یہ کہ رسولوں کے انکار اور قتل پر بنی اسرائیل پر ذلت کی سزا مسلط کیے جانا، قانون الٰہی تھا، اس پر مفصل بحث پیش تر گزر چکی۔

ایک اشکال یہ پیش کیا جاتا ہے کہ سیاسی غلبہ تو مسیح کے ساتھیوں کو بھی نہیں ملا، حالاں کہ رسول کے ساتھیوں کو غلبے کی بشارت دی جاتی ہے۔ اس کا جواب یہ ہے کہ رسول کے ساتھیوں کو سیاسی غلبے کی بشارت اس شرط کے ساتھ مشروط ہوتی ہے کہ وہ خاطر خواہ افرادی قوت کے حامل ہوں تا کہ سیاسی غلبہ قائم کر سکیں۔ اتمام حجت کے بعد انسانی ہاتھوں کے ذریعے سے دنیوی سزا دینے کا معاملہ بھی اسی شرط کے ساتھ مشروط ہے کہ رسول کے ساتھی خاطر خواہ تعداد میں موجود ہوں، ورنہ پہلے یہ ہوتا رہا کہ منکرین رسول کی قدرتی طاقتوں کے ذریعے سے تباہی کے بعد رسولوں کے ساتھی دنیا میں اپنا وقت امن و اطمینان کے ساتھ گزار کر رخصت ہو جاتے رہے، جیسا کہ نوح، صالح، شعیب علیہم السلام وغیرہ کے ساتھیوں کے ساتھ یہی صورت پیش آئی۔ پھر یہ کہ مسیح کے معاملے میں تو بنی اسرائیل ہی ان کے مقابل کھڑے ہو گئے تھے جن کے لیے مسیح کی پیروی کی صورت میں مسیح کی بادشاہت اور ان کے سیاسی غلبے کی بشارت تھی۔ بنی اسرائیل نے اپنا موقع ضائع کیا جس طرح ان سے پہلے رسولوں کی قوموں نے بہ صورت ایمان زمین و آسمان کی برکتوں سے نزول کے موقع کو ضائع کیا اور اپنے لیے خسارے کا سودا کیا۔

بالکل یہی خدائی اسکیم محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے سے قریش، یعنی بنی اسماعیل کو دی گئی تھی۔ آپ بھی قریش کو یہی فرمایا کرتے تھے کہ اگر تم ایمان لے آؤ تو عرب و عجم تمھارے مطیع ہو جائیں گے، لیکن قریش نے آپ کی دعوت اور اس سے متعلقہ فوائد ٹھکرا دیے تھے اور پھر وہ ذلیل ہوئے۔ تاہم ان میں جو ایمان لائے ان کی تعداد اتنی ہو گئی تھی کہ دنیوی سیاسی غلبے کا وعدہ ان کے حق میں پورا ہو گیا۔

اب جب یہ طے ہو جاتا ہے کہ رسول کا سیاسی غلبہ، منصب رسالت کا جز نہیں ہے تو محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سیاسی غلبے کو اسوۂ رسول یا سنت رسول قرار دے کر، اس مثال کی پیروی کرنے کو کسی بھی درجے میں دینی فریضہ سمجھنا بھی ایک غلط فہمی ہے۔ یہ سیاسی طور پر خود کو رسالت کے منصب پر بٹھا لینے کے مترادف ہے۔ ذریت ابراہیم کے لیے سیاسی غلبہ و سرفرازی کے خاص وعدوں کو عام سمجھ کر ان کے بھروسے پر افراد کی قلیل تعداد پر مشتمل پرائیویٹ

عسکری گروہ بنا کر حصول حکومت کے لیے مہمات برپا کرنا اور اس پر فتح ونصرت الٰہی کی امیدیں لگا بیٹھنا سوءِ فہم اور وقت، توانائیوں اور انسانی جانوں کی تلفی کا رایگاں مصرف ہے۔

ہمارے اس بیان سے مسلمانوں کے کسی گروہ کے لیے حصولِ حکومت کی سیاسی جدوجہد کی نفی کرنا مقصود نہیں، سیاسی جدوجہد کا فیصلہ، کسی علاقے کے مسلمانوں کا اپنا مقامی اور بعض صورتوں میں بین الاقوامی معاملہ ہوسکتا ہے۔ وہ اپنے حالات کے مطابق یہ طے کرسکتے ہیں کہ پرامن رہتے ہوئے، حق وانصاف کے تقاضوں کو پورا کرتے ہوئے، انھیں کن خطوط پر اپنی حکومت قائم کرنے کی جدوجہد کرنی چاہیے۔ یہ جدوجہد بعض صورتوں میں نہایت ضروری اور ناگزیر بھی ہوسکتی ہے، لیکن حصولِ حکومت اور اس کے لیے سیاسی جدوجہد کو دینی فریضہ سمجھنا دین میں خودساختہ اضافہ ہے۔ البتہ، مسلمانوں کو جب کہیں سیاسی غلبہ حاصل ہوجائے تو ان پر لازم ہوجاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کے مسلم اجتماعیت سے متعلق دینی احکامات کو بروے کار لائیں، اگر اس میں وہ کوتاہی برتیں گے تو قرآن مجید کی رو سے کافرانہ، فاسقانہ اور ظالمانہ فعل کے مرتکب قرار پاتے ہیں:

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْكٰفِرُوْنَ. (المائدہ ۵: ۴۴)

''اور (یاد رکھو کہ) جو لوگ اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی منکر ہیں۔''

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الظّٰلِمُوْنَ. (المائدہ ۵: ۴۵)

''اور (یہ بھی کہ) جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی ظالم ہیں۔''

وَمَنْ لَّمْ يَحْكُمْ بِمَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْفٰسِقُوْنَ. (المائدہ ۵: ۴۷)

''جو اللہ نے اُس میں نازل کیا ہے اور جو اللہ کے اتارے ہوئے قانون کے مطابق فیصلے نہ کریں، وہی فاسق ہیں۔''

www.javedahmadghamidi.org
www.al-mawrid.org

کیا جزیرۂ عرب میں محمد رسول اللہ اور صحابہ کا قتال صرف جارحین کے خلاف تھا؟

بعض حضرات کا خیال ہے کہ فتح مکہ اور اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے آخری دور کی جنگیں جن کا ذکر سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات میں بھی آیا ہے، صرف جارح مشرکین واہل کتاب کے خلاف تھیں، یعنی صرف ان کے خلاف جو آمادۂ جنگ تھے۔ یہ خیال قرآن کی واضح نصوص اور مسلمہ تاریخی شواہد کے خلاف ہے۔ پہلے قرآن کی نصوص دیکھیے:

سورۂ توبہ میں پہلی آیت ہی تمام مشرکین کے ساتھ کیے گئے معاہدات سے اعلان براءت کرتی ہے:

بَرَآءَةٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى الَّذِيْنَ عٰهَدْتُّمْ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ. (التوبہ ۹:۱)

”اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اُن مشرکوں کے لیے اعلان براءت ہے جن سے تم نے معاہدے کیے تھے۔“

پھر دوسری آیت ان معاہدین کو چار ماہ کی مہلت دیے جانے کا اعلان کرتی ہے، جس کے بعد ان پر فیصلہ کن حملے کا اعلان کیا جانا ہے:

فَسِيْحُوْا فِى الْاَرْضِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَاَنَّ اللّٰهَ مُخْزِى الْكٰفِرِيْنَ. (التوبہ ۹:۲)

”سو، (اے مشرکین عرب)، اب ملک میں چار مہینے اور چل پھر لو اور جان رکھو کہ تم اللہ کو عاجز نہیں کر سکتے اور یہ بھی کہ اللہ (اپنے پیغمبر کا) انکار کرنے والوں کو رسوا کر کے رہے گا۔“

پھر حج کے ایام میں ایک بار پھر اعلان عام کرایا گیا کہ اب مشرکین کے ساتھ کوئی معاہدہ نہیں رہا اور انھیں اشہر حرم، یعنی ذوالحج سے محرم کے اختتام تک تقریباً ۵۰ دن کی مہلت دے کر ان پر جنگ مسلط کرنے کا حکم دیا گیا:

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

اَذَانٌ مِّنَ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖٓ اِلَى النَّاسِ يَوْمَ الْحَجِّ الْاَكْبَرِ اَنَّ اللّٰهَ بَرِىْٓءٌ مِّنَ الْمُشْرِكِيْنَ وَرَسُوْلُهٗ فَاِنْ تُبْتُمْ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكُمْ وَاِنْ تَوَلَّيْتُمْ فَاعْلَمُوْٓا اَنَّكُمْ غَيْرُ مُعْجِزِى اللّٰهِ وَبَشِّرِ الَّذِيْنَ كَفَرُوْا بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ. (التوبہ ۹:۳)

”(پھر حج کا موقع آئے تو اس سرزمین کے) سب لوگوں تک پہنچانے کے لیے بڑے حج کے دن اللہ اور اُس کے رسول کی طرف سے اعلان عام کر دیا جائے کہ اللہ مشرکوں سے بری الذمہ ہے اور اُس کا رسول بھی۔ اب اگر تم لوگ توبہ کر لو تو تمھارے حق میں بہتر ہے اور اگر منہ پھیرو گے تو جان لو کہ تم اللہ سے بھاگ نہیں سکتے۔ (اے پیغمبر)، اِن منکروں کو دردناک عذاب کی خوش خبری سنا دو۔“

فَاِذَا انْسَلَخَ الْاَشْهُرُ الْحُرُمُ فَاقْتُلُوا الْمُشْرِكِيْنَ حَيْثُ وَجَدْتُّمُوْهُمْ وَخُذُوْهُمْ وَاحْصُرُوْهُمْ وَاقْعُدُوْا لَهُمْ كُلَّ مَرْصَدٍ فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوْا سَبِيْلَهُمْ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ. (التوبہ ۹:۵)

”(بڑے حج کے دن) اِس (اعلان) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن

کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔‘‘

یہاں پہلی آیت کا حکم دہرایا گیا ہے۔ پہلا حکم چار ماہ کی مہلت ان معاہد مشرکین کو دیتا ہے جن تک یہ پیغام پہنچانا ممکن تھا، یعنی مسلمانوں کے قریب کے علاقے میں رہنے والے مشرکین۔ آیت ۳ میں دیا جانے والا حکم اب جزیرۂ عرب کے تمام مشرکین کے لیے تھا، اسی لیے اس کے لیے ایام حج کا انتظار کیا گیا تاکہ جب سارے جزیرۂ عرب سے لوگ یا ان کے نمایندے مسجد حرام میں اکٹھا ہو جائیں تو یہ اعلان سن کر اپنے بارے میں فیصلہ کر لیں کہ انھوں نے اسلام قبول کرنا ہے، ملک چھوڑ جانا ہے یا پھر مسلمانوں کے ساتھ جنگ کر کے اپنی زندگی یا موت کا فیصلہ کرنا ہے۔

آیت ۱ اور ۳ میں بیان کردہ الفاظ کی عمومیت میں تمام معاہدات شامل ہو سکتے تھے، چاہے وہ معینہ مدت کے لیے کیے گئے ہوں یا غیر معینہ مدت کے لیے، نیز وہ معاہدات بھی جن کی خلاف ورزی کی گئی ہو یا نہ کی گئی ہو۔ لیکن آگے آیت ۴ میں کچھ معاہدات کا استثنا بیان کر دیا گیا:

اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدْتُّمۡ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ ثُمَّ لَمۡ يَنۡقُصُوۡكُمۡ شَيۡـًٔا وَّلَمۡ يُظَاهِرُوۡا عَلَيۡكُمۡ اَحَدًا فَاَتِمُّوۡۤا اِلَيۡهِمۡ عَهۡدَهُمۡ اِلٰى مُدَّتِهِمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ. (التوبہ ۹:۴)

’’وہ مشرکین، البتہ (اِس اعلان براءت سے) مستثنیٰ ہیں جن سے تم نے معاہدہ کیا، پھر اُس کو پورا کرنے میں اُنھوں نے تمھارے ساتھ کوئی کمی نہیں کی اور نہ تمھارے خلاف کسی کی مدد کی ہے۔ سو اُن کا معاہدہ اُن کی مدت تک پورا کرو، اِس لیے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو (بدعہدی سے) بچنے والے ہوں۔‘‘

یہاں ان معاہدات کو پورا کرنے کا کہا گیا ہے جن میں دو باتیں پائی جائیں: ایک یہ کہ ان کی خلاف ورزی نہ کی گئی ہو، اور دوسرا یہ کہ وہ معینہ مدت کے لیے کیے گئے ہوں۔ جناب غامدی صاحب کے مطابق آیت ۱ اور ۳ اور آیت ۴ میں بیان کردہ معاہدات میں فرق صرف معینہ مدت اور غیر معینہ مدت کے معاہدات کا ہے۔ آیت ۴ میں کلام معینہ معاہدات کے لیے آیا ہے، ان معاہدات کے پورا کرنے کے لیے البتہ مزید شرط یہ عائد کی گئی ہے کہ ان کی خلاف ورزی بھی نہ کی گئی ہو؛ جب کہ معاہدے کی خلاف ورزی پر تو حکم پہلے سے موجود تھا۔ سورۂ انفال میں کہا گیا تھا کہ محض خلاف ورزی ہی نہیں، بلکہ خلاف ورزی کے قوی اندیشے کی صورت میں خلاف ورزی سے پہلے ہی معاہدہ ختم کیا جا سکتا ہے:

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

وَاِمَّا تَخَافَنَّ مِنْ قَوْمٍ خِيَانَةً فَانْبِذْ اِلَيْهِمْ عَلٰى سَوَآءٍ اِنَّ اللّٰهَ لَا يُحِبُّ الْخَآئِنِيْنَ. (الانفال ۸:۵۸)

''(تم لوگ، البتہ ہر حال میں عہد کی پابندی کرو) اور اگر کسی قوم سے بدعہدی کا اندیشہ ہو تو اُن کا عہد اُسی طرح برابری کے ساتھ اُن کے آگے پھینک دو۔ حقیقت یہ ہے کہ اللہ بدعہدوں کو پسند نہیں کرتا۔''

چنانچہ سورۂ توبہ کی زیر بحث آیت میں کلام، معینہ مدت کے معاہدات کے بارے میں فیصلہ دینے کے لیے آیا ہے، جب کہ پہلی آیت غیر معینہ مدت کے معاہدات کے اختتام کا اعلان کرتی ہے۔

دوسری راے یہ ہے کہ آیت ۴ میں بیان کردہ معاہدات کے استثنا سے وہ معاہدات مراد ہیں جن کی خلاف ورزی کی گئی ہو، چاہے وہ معینہ مدت کے لیے ہوں یا غیر معینہ مدت کے لیے۔ اس راے پر ایک اعتراض یہ پیدا ہوتا ہے کہ معاہدات اگر صرف نقض عہد ہی کی بنا پر ختم کیے گئے تھے تو ایسے معاہدات کا کیا حکم ہوگا جو غیر معینہ مدت کے لیے ہوں اور اس کی خلاف ورزی بھی نہ کی گئی ہو؟ کیا وہ ہمیشہ چلتے رہتے؟ اگر ایسا ہوتا تو جزیرۂ عرب کے مشرکین پر اہل ایمان کی تلواروں سے آنے والے عذاب سے انھیں ہمیشہ کے لیے استثنا مل جاتا اور ایسا خدا کی سکیم میں ہونا درست نہ ہوتا۔ خدا کی سنت یہی چلی آ رہی ہے کہ رسول کے اتمام حجت کے بعد آنے والے دنیوی عذاب سے کوئی مشرک بچ نہیں سکتا۔ دوسرا یہ کہ خدا نے جزیرۂ عرب کو اسلام کے لیے خالص سرزمین بنانا تھا اور اس کے لیے شرک اور مشرکین کا استیصال ہونا ضروری تھا، یہ استثنا اس مقصود خداوندی کو بھی پورا نہ ہونے دیتا۔ اہل کتاب کو، البتہ، استثنا حاصل تھا جس پر ہم مفصل بحث کر چکے ہیں۔

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

ہمارے نزدیک غامدی صاحب کی راے درست ہے۔ اس کے حق میں ایک قرینہ یہ بھی ہے کہ آیت ۱ اور ۳ میں غیر معینہ معاہدات ختم کرنا مراد لینے سے ہی یہ اخلاقی ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ مشرکین کو مہلت دی جائے۔ معاہدے کی خلاف ورزی کرنے پر مفسدین کو مہلت دے کر حملہ کرنے کو قانون کے طور پر بیان کرنے کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی، ایسوں پر تو فوراً حملہ کرنے کا جواز موجود تھا۔ یہ مہلت غیر معینہ معاہدات ختم کرنے کے بعد مشرکین کو سوچنے اور آخری فیصلہ کرنے کے لیے دیے جانا ہی درست معلوم ہوتا ہے کہ اب انھوں نے اسلام قبول کرنا ہے یا صحابہ کی تلواروں کی صورت میں آنے والے عذاب الٰہی کا سامنا کرنے کا حوصلہ کرنا ہے۔

غرض یہ کہ سورۂ توبہ کی آیت ۱ میں بیان کردہ معاہدات سے غیر معینہ مدت کے معاہدات، جن کی خلاف ورزی ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، ہی مراد لیے جانا درست معلوم ہوتا ہے۔

معاملہ اگر صرف جارحیت کا ہوتا تو قرآن مجید میں یہ کہا جاتا ہے کہ جب یہ منکرین اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں، مطیع ہو کر رہنا قبول کر لیں، جیسا کہ اہل کتاب نے قبول کر لیا تھا، تو ان کو چھوڑ دو۔ لیکن غور کیجیے آیت یہ بیان کر رہی ہے کہ ان مشرکین کی گلوخلاصی کی ایک ہی صورت تھی کہ وہ اسلام قبول کریں اور اس کے ثبوت کے لیے نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی بھی کریں، تب ہی جان چھوٹے گی:

فَاِذَا انۡسَلَخَ الۡاَشۡهُرُ الۡحُرُمُ فَاقۡتُلُوا الۡمُشۡرِكِيۡنَ حَيۡثُ وَجَدۡتُّمُوۡهُمۡ وَخُذُوۡهُمۡ وَاحۡصُرُوۡهُمۡ وَاقۡعُدُوۡا لَهُمۡ كُلَّ مَرۡصَدٍ فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ. (التوبہ ۹: ۵)

”(بڑے حج کے دن) اِس (اعلان) کے بعد جب حرام مہینے گزر جائیں تو اِن مشرکوں کو جہاں پاؤ، قتل کرو اور (اِس مقصد کے لیے) اِن کو پکڑو، اِن کو گھیرو اور ہر گھات کی جگہ اِن کی تاک میں بیٹھو۔ پھر اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو اِن کی راہ چھوڑ دو۔ یقیناً اللہ بخشنے والا ہے، اُس کی شفقت ابدی ہے۔“

دوسری طرف جن مشرکین کے ساتھ معینہ مدت کے معاہدات تھے، ان کے لیے حکم تھا کہ معاہدات اپنی مدت تک پورے کیے جائیں اور اب ان کے ساتھ نئے معاہدات نہ کیے جائیں:

كَيۡفَ يَكُوۡنُ لِلۡمُشۡرِكِيۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰهِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِهٖۤ اِلَّا الَّذِيۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَكُمۡ فَاسۡتَقِيۡمُوۡا لَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الۡمُتَّقِيۡنَ. (التوبہ ۹: ۷)

”اللہ اور اُس کے رسول کے ہاں اِن مشرکوں سے کوئی عہد کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ ہاں جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس (حدیبیہ میں) عہد کیا تھا، سو جب تک وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو، اِس لیے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو (بدعہدی سے) بچنے والے ہوں۔“

یعنی کوئی راستہ نہیں چھوڑا گیا، اگر انھوں نے جزیرۂ عرب میں رہنا ہے تو اسلام قبول کر کے رہنا ہوگا۔

بعض لوگوں نے اسی سورہ کی آیت ۶ سے مشرکین کے لیے امن سے زندہ رہنے کی گنجایش سمجھی ہے۔ آیت ملاحظہ کیجیے:

وَاِنۡ اَحَدٌ مِّنَ الۡمُشۡرِكِيۡنَ اسۡتَجَارَكَ

”اور اگر (اِس داروگیر کے موقع پر) اِن مشرکوں

www.al-mawrid.org www.javedahmadghamidi.org

فَاَجِرۡهُ حَتّٰی یَسۡمَعَ کَلٰمَ اللّٰہِ ثُمَّ اَبۡلِغۡہُ مَاۡمَنَہٗ ذٰلِکَ بِاَنَّهُمۡ قَوۡمٌ لَّا یَعۡلَمُوۡنَ. (التوبہ ۹:۶)

میں سے کوئی شخص تم سے امان چاہے (کہ وہ تمھاری دعوت سننا چاہتا ہے) تو اُس کو امان دے دو، یہاں تک کہ وہ اللہ کا کلام سن لے۔ پھر اُس کو اُس کے مامن تک پہنچا دو۔ یہ اس لیے کہ یہ ایسے لوگ ہیں جو (خدا کی باتوں کو) نہیں جانتے۔''

یہ آیت مشرکین کے کسی گروہ کے لیے نہیں، بلکہ انفرادی حیثیت میں مشرکین کے پناہ کے معاملے کی بات کر رہی ہے، یعنی مشرکین کا کوئی فرد جو مسلمانوں کے علاقے میں آیا ہو یا گزر رہا ہو، نہ کہ وہ جن پر اعلان کے بعد حملہ کرنا پیش نظر تھا۔ اسی لیے تو کہا جا رہا ہے کہ مسلمان اسے اس کی امن کی جگہ پہنچا دیں کہ وہ مسلمانوں کے زیر نگیں علاقے میں آیا ہے۔ اس پر ابن کثیر کا نوٹ دیکھیے:

وَالْغَرَضُ أَنَّ مَنْ قَدِمَ مِنْ دَارِ الْحَرْبِ إِلٰی دَارِ الْإِسْلَامِ فِي أَدَاءِ رِسَالَةٍ أَوْ تِجَارَةٍ، أَوْ طَلَبِ صُلْحٍ أَوْ مُهَادَنَةٍ أَوْ حَمْلِ جِزْيَةٍ، أَوْ نَحْوِ ذٰلِكَ مِنَ الْأَسْبَابِ، فَطَلَبَ مِنَ الْإِمَامِ أَوْ نَائِبِهِ أَمَانًا، أُعْطِيَ أَمَانًا مَا دَامَ مُتَرَدِّدًا فِي دَارِ الْإِسْلَامِ، وَحَتّٰی يَرْجِعَ إِلٰی مَأْمَنِهِ وَوَطَنِه. (تفسیر القرآن العظیم ۴/ ۱۱۴)

''غرض یہ ہے کہ جو دار الحرب سے دار الاسلام میں کوئی پیغام، تجارت یا صلح کی طلب یا جزیہ وغیرہ لے کر آئے، اور امام یا اس کے نائب سے امان طلب کرے تو اسے امان دے دی جائے گی، جب تک وہ دار الاسلام میں عارضی طور پر رہے جب تک کہ وہ اپنی امن کی جگہ یا اپنے وطن پہنچ جائے۔''

www.javedahmadghamidi.com

نیز یہ بھی ہدایت دی گئی کہ اسے قرآن سنا کر مزید اتمام حجت کر دیا جائے کہ ممکن ہے کوئی کسر باقی رہ گئی ہو۔ معلوم ہونا چاہیے کہ اتمام حجت قومی سطح پر ہوتا ہے اور اس کے انجام کا فیصلہ بھی قومی سطح پر کیا جاتا ہے۔ فردی سطح پر البتہ کسر باقی رہ جانے کا امکان رہتا ہے اور ایسے افراد کا معاملہ جیسا کہ پہلے بھی اشارہ کیا گیا، اللہ کے سپرد ہے۔

بعض حضرات نے سورۂ توبہ کی آیات ۷ تا ۱۰ میں مذکور آمادۂ جنگ مشرکین سے سورۂ توبہ کی ابتدائی آیات میں مذکور مشرکین کو ایک ہی سمجھ کر سب کو جارح قرار دے دیا ہے۔ آیات ملاحظہ کیجیے:

کَیۡفَ یَکُوۡنُ لِلۡمُشۡرِکِیۡنَ عَهۡدٌ عِنۡدَ اللّٰہِ وَعِنۡدَ رَسُوۡلِہٖۤ اِلَّا الَّذِیۡنَ عٰهَدۡتُّمۡ عِنۡدَ الۡمَسۡجِدِ الۡحَرَامِ فَمَا اسۡتَقَامُوۡا لَکُمۡ فَاسۡتَقِیۡمُوۡا لَهُمۡ

''اللہ اور اُس کے رسول کے ہاں ان مشرکوں سے کوئی عہد کس طرح باقی رہ سکتا ہے؟ ہاں جن لوگوں سے تم نے مسجد حرام کے پاس (حدیبیہ میں) عہد کیا

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُتَّقِيْنَ. كَيْفَ وَاِنْ يَّظْهَرُوْا عَلَيْكُمْ لَا يَرْقُبُوْا فِيْكُمْ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً يُرْضُوْنَكُمْ بِاَفْوَاهِهِمْ وَتَاْبٰى قُلُوْبُهُمْ وَاَكْثَرُهُمْ فٰسِقُوْنَ. اِشْتَرَوْا بِاٰيٰتِ اللّٰهِ ثَمَنًا قَلِيْلًا فَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِهٖ اِنَّهُمْ سَآءَ مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. لَا يَرْقُبُوْنَ فِيْ مُؤْمِنٍ اِلًّا وَّلَا ذِمَّةً وَاُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُعْتَدُوْنَ. (التوبہ۹: ۷-۱۰)

تھا، سو جب تک وہ تمھارے ساتھ سیدھے رہیں، تم بھی اُن کے ساتھ سیدھے رہو، اِس لیے کہ اللہ اُن لوگوں کو پسند کرتا ہے جو (بدعہدی سے) بچنے والے ہوں۔ کس طرح باقی رہ سکتا ہے، جب کہ حال یہ ہے کہ اگر وہ تم پر کہیں غلبہ پالیں تو نہ تمھارے بارے میں کسی قرابت کا لحاظ کریں، نہ کسی عہد کا۔ اپنے منہ کی باتوں سے وہ تمھیں راضی کرنا چاہتے ہیں، مگر اُن کے دل انکار کر رہے ہیں اور اُن میں سے اکثر بدعہد ہیں۔ اللہ کی آیتوں کے عوض میں اُنھوں نے تھوڑی قیمت قبول کر لی، پھر اُس کی راہ سے رک گئے ہیں۔ یقیناً بہت برا ہے جو کچھ یہ کر رہے ہیں۔ کسی مسلمان کے معاملے میں نہ اُنھیں کسی قرابت کا لحاظ ہے، نہ عہد کا اور وہی زیادتی کرنے والے ہیں۔''

www.javedahmadghamidi.com
www.al-mawrid.org

غور کیجیے تو آیات ۷ تا ۱۰ میں جن آمادۂ جنگ مشرکین کا ذکر ہے، ان سے مراد صرف قریش مکہ ہیں۔ اس پر دلیل وہ اس معاہدے کا ذکر ہے جو مسجد حرام کے پاس ان مشرکین سے کیا گیا۔ مسجد حرام کے پاس ایک ہی معاہدہ ہوا تھا، یعنی صلح حدیبیہ، اس لیے آیت ۸ میں مشرکین سے مراد مکہ کے مشرکین ہی قرار پاتے ہیں جن سے معینہ مدت کا معاہدہ تھا۔ ان کے علاوہ دیگر مشرکین جن سے غیر معینہ مدت کے معاہدات تھے، ان کا حکم اس سورہ کی ابتدائی آیات میں بیان ہوا ہے۔

غور طلب بات یہ ہے آیت ۱۱ میں قریش کے ان جارح مشرکین کے لیے بھی اپنی گلوخلاصی کی وہی شرط، یعنی اسلام قبول کرنا ہی بیان ہوا ہے، نہ کہ محض جارحیت سے توبہ، بلکہ پوری بات دہرائی گئی ہے کہ اسلام قبول کرنے کے بعد وہ نماز اور زکوٰۃ کی ادائیگی کے لیے بھی تیار ہو جائیں تب ہی ان کی جان بچ سکتی ہے:

فَاِنْ تَابُوْا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَاِخْوَانُكُمْ فِي الدِّيْنِ وَنُفَصِّلُ الْاٰيٰتِ لِقَوْمٍ يَّعْلَمُوْنَ. (التوبہ۹: ۱۱)

''سو اگر توبہ کر لیں اور نماز کا اہتمام کریں اور زکوٰۃ ادا کریں تو تمھارے دینی بھائی ہیں۔ ہم اُن لوگوں کے لیے اپنی آیتوں کی تفصیل کیے دے رہے ہیں جو

جاننا چاہتے ہوں۔''

جب کہ اہل کتاب کو ان کی جارحیت سے باز آ جانے کی بنا پر محکوم بنا کر ان پر جزیہ عائد کرنے کی سزا دی گئی:

قَاتِلُوا الَّذِيۡنَ لَا يُؤۡمِنُوۡنَ بِاللّٰهِ وَلَا بِالۡيَوۡمِ الۡاٰخِرِ وَلَا يُحَرِّمُوۡنَ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ وَرَسُوۡلُهٗ وَلَا يَدِيۡنُوۡنَ دِيۡنَ الۡحَقِّ مِنَ الَّذِيۡنَ اُوۡتُوا الۡكِتٰبَ حَتّٰى يُعۡطُوا الۡجِزۡيَةَ عَنۡ يَّدٍ وَّهُمۡ صٰغِرُوۡنَ. (التوبہ۹:۲۹)

''(اِن مشرکوں کے علاوہ) اُن اہل کتاب سے بھی لڑو جو نہ اللہ اور روز آخر پر ایمان رکھتے ہیں، نہ اللہ اور اُس کے رسول کے حرام ٹھیرائے ہوئے کو حرام ٹھیراتے ہیں اور نہ دین حق کو اپنا دین بناتے ہیں، (اُن سے لڑو)، یہاں تک کہ اپنے ہاتھوں سے جزیہ دیں اور ماتحت بن کر رہیں۔''

اگر اہل کتاب کو ان کی جارحیت سے باز آ جانے کی شرط پر محکوم بنا کر چھوڑ دیا گیا، تو یہی سزا مشرکین عرب کے لیے بھی تجویز کی جا سکتی تھی، لیکن ایسا نہیں کیا گیا، یہ اس لیے کہ صریح شرک جو بلا تاویل ہو، اس کی سزا رسول کے اتمام حجت کے بعد قتل ہی تجویز کی گئی ہے۔

ابن کثیر لکھتے ہیں:

وَتَضۡطَرُّوۡهُمۡ إِلَى الۡقَتۡلِ أَوِ الۡإِسۡلَامِ؛ وَلِهَذَا قَالَ: ''فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ''. (تفسیر القرآن العظیم۴/۱۱۱)

''اور تم ان مشرکین کو زبردستی قتل یا اسلام کے لیے مجبور کرو گے، اسی لیے خدا نے فرمایا: فَاِنۡ تَابُوۡا وَاَقَامُوا الصَّلٰوةَ وَاٰتَوُا الزَّكٰوةَ فَخَلُّوۡا سَبِيۡلَهُمۡ اِنَّ اللّٰهَ غَفُوۡرٌ رَّحِيۡمٌ۔''

تفسیر کبیر میں ہے:

احۡتَجَّ الشَّافِعِيُّ رَحِمَهُ اللّٰهُ بِهٰذِهِ الۡاٰيَةِ عَلٰى أَنَّ تَارِكَ الصَّلَاةِ يُقۡتَلُ، قَالَ: لِأَنَّهُ تَعَالٰى أَبَاحَ دِمَاءَ الۡكُفَّارِ مُطۡلَقًا بِجَمِيعِ الطُّرُقِ، ثُمَّ حَرَّمَهَا عِنۡدَ مَجۡمُوعِ هَذِهِ الثَّلَاثَةِ، وَهِيَ: التَّوۡبَةُ عَنِ الۡكُفۡرِ، وَإِقَامَةُ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءُ الزكاة، فعند ما لَمۡ يُوجَدۡ هَذَا الۡمَجۡمُوعُ، وَجَبَ أَنۡ يَبۡقَى إِبَاحَةُ الدَّمِ عَلَى الۡأَصۡلِ. (مفاتیح الغیب۱۵/۵۲۸)

''اسی آیت سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے کہ تارک نماز کو قتل کیا جائے گا، انھوں نے کہا کہ یہ اس لیے کہ اللہ تعالیٰ نے کفار کے خون کو مطلقاً ہر طریقے سے حلال کر دیا اور پھر تین چیزوں کے مجموعے کے ساتھ حرام کیا، اور وہ ہیں: کفر سے توبہ، نماز کا قیام اور زکوٰۃ کی ادائیگی۔ تو پھر جس کافر کے ہاں ان تینوں کا مجموعہ نہ ہو، واجب ہے کہ اصلاً اس کے خون کا حلال ہونا باقی رہے۔''

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی یہ حدیث بھی اسی تناظر میں ہے:

أُمِرْتُ أَنْ أُقَاتِلَ النَّاسَ حَتَّى يَشْهَدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، فَإِذَا شَهِدُوا أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُولُ اللّٰهِ، وَاسْتَقْبَلُوا قِبْلَتَنَا، وَأَكَلُوا ذَبِيحَتَنَا، وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا، فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَأَمْوَالُهُمْ إِلَّا بِحَقِّهَا. (رَوَاهُ الْبُخَارِيُّ فِي صَحِيحِهِ وَأَهْلُ السُّنَنِ إِلَّا ابْنَ مَاجَهُ)

''مجھے حکم دیا گیا ہے کہ میں لوگوں سے اس وقت تک قتال جاری رکھوں، یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں، ہمارے قبلے کی طرف منہ کریں، ہمارا ذبیحہ کھائیں، ہماری نماز پڑھیں، تب ہم پر ان کا خون اور ان کے اموال حرام ہوں گے، سوائے یہ کہ ان پر کوئی حق قائم ہو جائے۔''

مکرر عرض ہے کہ آیات مذکورہ میں یہ نہیں کہا جا رہا ہے کہ اگر مشرکین مطیع ہو کر رہنا چاہیں تو امن کے ساتھ رہ سکتے ہیں، بلکہ کہا جا رہا ہے کہ وہ صرف اسلام قبول کر کے ہی زندہ چھوڑے جا سکتے ہیں۔ چنانچہ یہ تاریخی حقیقت ہے کہ جزیرۂ عرب کے قبائل نے جبراً اسلام قبول کیا تھا، جس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے فوراً بعد ہی وہ اسلام سے پھر گئے تھے، اور صحابہ کو دوبارہ تلوار کے زور سے انھیں مطیع اور مسلم بنانا پڑا تھا۔ ان تاریخی نظائر کو مولانا عمار خان ناصر نے اپنی کتاب ''جہاد: ایک مطالعہ'' میں اکٹھا کر دیا ہے۔ مولانا عمار خان ناصر ''مسند الشامیین'' کے حوالے سے لکھتے ہیں:

"لما مات النبی صلی اللّٰہ علیہ و سلم تشایع الناس و تحزبوا فقامت تلك الناصیة فقاتلوا الناس حتی ردوا الناس الی کلمة الاسلام و حتی قالوا لا الٰہ الا اللّٰہ و ان نبیکم حق.

(مسند الشامیین، رقم ۱۶۶۱)

''جب نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوئی تو لوگ (اسلام کو چھوڑ کر) مختلف گروہوں اور دھڑوں میں بٹ گئے، چنانچہ آپ کے ساتھیوں کا گروہ اٹھا اور اس نے لوگوں کے ساتھ قتال کیا یہاں تک کہ انھیں کلمۂ اسلام کی طرف واپس لوٹا دیا اور منکرین کو یہ اقرار کرنا پڑا کہ اللہ کے سوا کوئی الٰہ نہیں اور یہ کہ تمھارا نبی برحق ہے۔''

اگر یہ مان لیا جائے کہ یہ تمام قبائل اپنی رضا مندی اور اختیار سے دائرۂ اسلام میں داخل ہوئے تھے تو اتنے وسیع پیمانے پر ان کے دین سے مرتد ہو جانے یا مرکز اسلام کی اطاعت قبول کرنے سے انکار کا رویہ کسی طرح بھی قابل فہم نہیں رہتا۔'' (۴۹)

''سیدنا ابوبکر نے ایک موقع پر فرمایا:

ان اللّٰہ بعث محمدا صلی اللّٰہ علیه و سلم بهذا الدین فجاهد علیه حتی دخل الناس فیه طوعا و کرها. (ابن ہشام، السیرۃ النبویۃ ۲/۵۲۶)

''اللہ تعالیٰ نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دین دے کر بھیجا، چنانچہ آپ نے اس کے لیے جہاد کیا یہاں تک کہ لوگ خواہی نخواہی اس میں داخل ہو گئے۔'''' (۵۲)

''رومی فوج کے سالار جرجہ سے گفتگو کرتے ہوئے خالد بن ولید نے کہا:

انا قبلنا هذا الامر عنوة. (البدایہ والنہایہ ۷/ ۱۳)

''ہم نے اس دین کو اپنی مرضی کے برعکس قبول کیا تھا۔'''' (۵۴)

''نصاریٰ بنو تغلب سے معاہدہ کے موقع پر انھوں (حضرت عمر) نے فرمایا:

ان من اسلم منهم فله ما للمسلمین و علیه ما علیهم و من ابی فعلیه الجزاء و انما الاجبار من العرب علی من کان فی جزیرة العرب. (طبری، تاریخ الامم والملوک ۴/۴۰)

''ان میں سے جو اسلام لے آئیں گے، ان کے حقوق و فرائض مسلمانوں کے برابر ہوں گے۔ اور جو انکار کریں گے، ان پر جزیہ لازم ہوگا۔ ہم اسلام قبول کرنے پر صرف ان اہل عرب کو مجبور کریں گے جو جزیرۃ العرب کی حدود میں رہتے ہوں۔''

(۵۵)

www.javedahmadghamidi.com www.al-mawrid.org

محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت میں ظاہری اسلام کو گوارا کر لیا گیا تھا۔ اس سے یہ بھی سمجھ آتا ہے کہ پہلے سے موجود منافقین کے وجود کو بھی کیوں گوارا کر لیا گیا اور کوئی دنیوی سزا باوجود عذاب کی دھمکی کے ان پر کیوں نہیں آئی۔ ان منافقین کو خدا اور رسول کی طرف سے عذاب و سزا کی جو دھمکیاں دی گئی تھیں، وہ ان کی معاندانہ سازشی کارروائیوں کے جاری رہنے کی صورت میں دی گئی تھیں۔ اسلام کے سیاسی غلبے نے انھیں مجبور کر دیا تھا کہ وہ اپنی حرکتوں سے باز آ جائیں، اب محض دل کی کیفیت پر ان پر قتال کا عذاب مسلط نہیں کیا گیا جیسا کہ مشرکین اور اہل کتاب پر مسلط کیا گیا جو کھلم کھلا انکار، یعنی کفر پر بہ ضد تھے۔ اس کی ایک اور وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بلا ضرورت قتال سے بچا جائے۔ یہ لوگ بہ ظاہر ملت اسلامیہ کا ہی حصہ معلوم ہوتے تھے۔ پھر یہ کہ مجموعی حالات کے اثر سے ممکن تھا کہ ایسے لوگوں کے دل میں ایمان حقیقتاً اتر ہی جائے، کیونکہ ان کا اصل مذہب عصبیت تھا، یعنی اپنے قوم و قبیلے کا طور طریقہ ہی ان کا مذہب تھا، جب ان کی قوم اور قبیلے ہی مسلمان ہو گئے تو عصبیت کی خاطر ہی سہی، یہ پکے مسلمان بن سکتے تھے، اور ہم جانتے ہیں کہ پھر ایسا ہی ہوا۔ یہی مرتد ہو جانے والے قبائل تھے، جو از سر نو اسلام میں شامل ہونے کے بعد، خلافت اسلامیہ کے جھنڈے تلے جہاد کرتے رہے اور اس کی تقویت کا باعث بنے۔ اور کچھ نہیں تو ایسے لوگوں کی

اولادوں کے مسلمان ہونے کا تو قوی امکان موجود تھا۔ آخرت کا معاملہ البتہ الگ ہے جہاں خدا کی عدالت پورے علم کی روشنی میں ایسے لوگوں کا فیصلہ کرے گی۔

خلاصہ یہ ہے کہ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے منکرین کو قرآن مجید میں گذشتہ اقوام پر آنے والے عذاب کی داستانیں سنا کر بار بار یہ کہا جا رہا تھا کہ تمھاری ضد اور انکار کی بنا پر تم پر بھی دنیا ہی میں عذاب آ جائے گا۔ پھر صحابہ کو بتا دیا گیا کہ یہ عذاب ان کے ہاتھوں سے دیا جائے گا۔ اب جب وہ عذاب صحابہ کی تلواروں سے آ گیا تو یہ سمجھنا کہ یہ جہاد صرف جارحین کے خلاف تھا، نص قرآنی اس کی تائید کرتی ہے، نہ قرآنی نظائر، اور نہ ابتداے اسلام کی تاریخ عرب سے اس کی تصدیق ہوتی ہے۔ قتال و محکومی کی ان سزاؤں کے بارے میں قرآن کی ان صریح نصوص کی کوئی اور اطمینان بخش تاویل ہماری نظر میں ممکن نہیں۔

فقہا کا ایک طبقہ اس کا قائل رہا ہے کہ مسلم حکومت، بشرطِ طاقت، انھی اصولوں کے مطابق تمام دنیا پر اسلام نافذ کرے۔ وہ ہر زمانے کے مشرکین کے سامنے اسلام کی دعوت رکھے، اور اسے قبول نہ کرنے پر انھیں قتل کر دے، جب کہ اہل کتاب کے انکار کی صورت میں انھیں محکوم بنا کر ان پر جزیہ عائد کر دے۔ اسی بنا پر ہندوستان کے متشرع بادشاہان ـــــ محمد تغلق، التمش وغیرہ ـــــ کو اس وقت کے فقہا نے ہندوستان کے ہندوؤں کو 'شریعت' کے مطابق قتل کرنے پر اصرار کیا تھا، لیکن ان بادشاہوں نے عملی مجبوریوں کا بہانہ بنا کر اس انتہائی اقدام سے گریز کیا۔

دیگر فقہا کے مطابق قتل کی سزا محکومی کی سزا سے موقوف ہو چکی ہے۔ اب دنیا بھر کے غیر مسلموں کو بہ صورت طاقت محکوم بنایا جائے گا، چاہے وہ مشرک ہوں یا اہل کتاب۔ دیگر کچھ فقہا، جن میں احناف شامل ہیں، نے یہ رعایت البتہ دی کہ غیر مسلم سے قتال صرف جارحیت کی صورت میں کیا جائے گا، اور حکومت قائم ہو جانے کے بعد ان پر جزیہ عائد کیا جائے گا۔

غور کیجیے تو فقہا کے یہ بیانیے درحقیقت اتمام حجت اور اس کی نتیجے میں دی جانے والی سزاؤں کا نفاذ جزیرۂ عرب سے باہر دیگر اقوام تک پھیلا رہے ہیں، فقہا کے یہ مواقف اتمام حجت کے قانون ہی سے پھوٹے ہیں، لیکن فرق یہ ہے کہ وہ اس قانون کو عام سمجھ لیتے ہیں اور ہم سنت الٰہی کی روشنی میں اسے مخصوص وقت اور جگہ تک محدود سمجھتے ہیں۔ اسی بنا پر فقہا ایسی جنگ کو ناجائز قرار دیتے ہیں جس سے پہلے دعوت نہ دی گئی ہو۔ گویا فقہا کے نزدیک غیر مسلم اقوام کو محض اسلام کی خبر پہنچانے اور ایک آدھ بار دعوت دینے سے اتمام حجت ہو جاتا ہے جس کے بعد ان کے قتل یا محکومی کا اختیار اسلامی حکومت کو حاصل ہو جاتا ہے۔ یہی وہ غلط فہمی ہے جو رسولوں سے متعلق قانون اتمام حجت کو اس کے

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com

درست تناظر میں نہ سمجھنے سے پیدا ہوئی۔ سورۂ توبہ میں بیان کردہ قتال کا عذاب جو منکرین رسالت پر آیا، وہ درحقیقت، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتمام حجت کے بعد اس لیے آیا کہ خدا کے علم کے مطابق کفار محض ضد اور ہٹ دھرمی کی وجہ سے انکار کر رہے تھے، اور ایسوں کا مٹ جانا طے تھا۔ اب یہ حکم لگانا کہ کون دل سے انکار کر رہا ہے اور کون نہیں مسلمانوں کے دائرۂ اختیار سے باہر ہے، اس لیے غیر مسلموں کو اس بنا پر مٹا ڈالنا یا محکوم بنا لینا بھی ان کے دائرۂ عمل سے تجاوز ہے۔ تعبیر کی اس غلطی نے وہ تمام مسلم عسکری تنظیمیں پیدا کیں جو صدیوں سے 'جہاد' کے ذریعے سے دنیا میں اسلام نافذ کر کے قتال اور محکومی کی سزائیں غیر مسلموں پر نافذ کرنے کی خواہش میں دنیا کے امن اور اسلام کے تاثر، دونوں کو برباد کر رہی ہیں۔

[باقی]

www.al-mawrid.org
www.javedahmadghamidi.com